فرحین اظفر

دیئے وفا

سوہا اور رمایا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید‘ انس‘ عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ‘ انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس‘ سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کردیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے‘ مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کرلیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہوکر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید‘ عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ‘ شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخرکار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے‘ جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہوجاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کرلیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور ماہا سے بھی کردیتی ہیں۔

حدید‘ انس کی خاطر نائلہ سے شادی کرنے کے لیے رضامند ہوجاتا ہے اور شادی کے بعد پوری سچائی سے نائلہ کو بیوی کا درجہ دینا چاہتا ہے‘ مگر نائلہ نے حدید کو مجبوری کے تحت اپنی زندگی میں قبول کیا اور اس کو وہ مقام نہ دیا جو اس کا حق تھا حدید





خاموش ہوگیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ نائلہ اس کو قبول کرلے گی' مگر حدید کی شرافت اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے نائلہ کے دماغ میں کچھ اور ہی منصوبے بالا ہی بالا تشکیل پانے لگے' جس پر نائلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑی کامیابی سے عمل پیرا تھی کہ وہ انس کی نہ ہوسکی تو سوہا اور انس کو بھی جدا کردے گی۔

ماہا کی شادی حسیب سے بخیر و خوبی ہوجاتی ہے۔ ماہا حسیب کے ساتھ دبئی چلی جاتی ہے' ماہا حسیب سے شادی کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھنے لگتی ہے' مگر اس کو پتا چلتا ہے کہ حسیب ایک بیٹے کا باپ ہے اور وہ فوراً" پاکستان جانے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔

سوہا امید سے ہوتی ہے' مگر نائلہ بڑی عمدگی اور کامیابی سے سوہا کو اس خوشی سے محروم کردیتی ہے اور اس حادثے کے بعد انس کو اپنی زیادتی کا احساس ہوتا ہے اور وہ سوچ لیتا ہے کہ اب سوہا کو کوئی غم نہیں دے گا۔ نائلہ اسپتال میں شبیر حسین کو دیکھ کر چکرا جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ شبیر حسین نے اس کو نہیں دیکھا' مگر شبیر حسین نائلہ کا پیچھا کرتے کرتے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے اور نائلہ نہ چاہتے ہوئے بھی شبیر حسین کے جال میں گھر جاتی ہے۔

حسیب ماہا کو منالیتا ہے اور پاکستان آجاتا ہے' مگر ماہا پھر غلط فہمی کا شکار ہوجاتی ہے اور حسیب کے ساتھ جانے سے منع کردیتی ہے۔ حسیب اکیلا ہی دبئی جانے کے لیے روانہ ہوجاتا ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔

عفت کا نکاح معراج کے ساتھ ہوجاتا ہے۔ جس کا حدید کو پتا چلتا ہے تو وہ حیران ہوجاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

پندرھویں اور آخری قسط

پندرہ دن کے اندر اندر ہنگامی صورت حال میں عفت کی رخصتی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ اس تاریخ رکھنے کی تقریب میں شرکت کرنے کے لیے سوہا خود ماہا کو لینے بھی آئی اور ڈراپ کرنے بھی۔ ورنہ حسیب اسے اجازت دینے کے موڈ میں نہیں تھا اور اس کے موڈ کو دیکھتے ہوئے ماہا کی بدمزاجی اور چڑچڑاہٹ عروج پر پہنچ چکی تھی۔

سوہا نے فون پر ساری صورت حال سن کر خود اجازت لینے کا مرحلہ طے کیا۔ اسے تسلی دی۔ اور جب وہ شادی کے اوائل دنوں کے بعد' ایک لمبے عرصے بعد اس قدر سج دھج سے تیار ہوئی تھی تو حسیب کی نگاہیں بھٹک کر اسی پر جا ٹھہرتی تھیں۔

وہ دبے دبے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ میٹھی میٹھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر قریب جانے کا ارادہ فی الحال ملتوی کیے رکھا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ اس کے ذرا سے التفات پر آنسو بہا کر وہ اپنا حلیہ اور چہرہ دونوں بگاڑ لیتی۔

بہرالحال سوہا آئی۔ حسیب سے شکوے شکایات ہوئے اور انس نے بھی حسب توفیق اسے لتاڑا تب' کہیں جاکر ماہا کا موڈ قدرے بہتر ہوا۔ پھر بھی وہ اس بات پر شاکی تھی کہ نہ تو حسیب اپنی حرکتوں کو لے کر اتنا سنجیدہ ہوا۔ نہ اس دوران انس اور سوہا نے ہی سنجیدگی سے اس سے بات کی۔ الٹا ہنسی مذاق اور چھیڑ خانی میں بات کرکے اسے ساتھ لے کر چلتے بنے۔ ولید اس دوران اور دل جلانے کا سبب بنا۔ کیونکہ وہ بھی ان ہی لوگوں کے درمیان کسی گھر کے فرد کی طرح موجود رہا۔

تقریب بخیر و عافیت اپنے اختتام کو پہنچی۔ تمام لوگوں کی طرف سے خوش اخلاقی کے بھرپور مظاہرے کے بعد بھی بتول اور ان کی بیٹیوں کی جانب سے سرد مہری کا عنصر ہربات میں واضح رہا۔ اپنے اور معراج کے بچوں کو وہ گھر پر معراج کے حوالے کرکے آئی تھیں۔ رہے دونوں داماد تو دونوں ہی منہ بند کیے بیٹھے رہے۔ نہ کوئی اعتراض نہ حامی نہ انکار۔

صاف ظاہر تھا کہ وہ لوگ مارے باندھے تقریب میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔
اس شادی اور رخصتی سے پہلے ہی عفت کو کیا کچھ سننا تھا۔ ابھی کیا کچھ تھا جو باقی تھا۔ ہونے کو اور وہ کچھ پہلے ہو جانے والے بہت کچھ سے بڑھ کر تھا۔

☼ ☼ ☼

"صرف پندرہ دن کے شارٹ نوٹس پر کیسے انتظام ہوگا سب۔" انس کے آگے ناشتا رکھتے ہوئے وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ قریب ہی حدید بیٹھا اپنا ناشتا ختم کر رہا تھا۔ سوہا نے دیکھا اس کی بات پر کوئی رد عمل تو دور کی بات حدید چونکا تک نہیں۔
"اب کرنا ہی کیا ہے تیاری تو ساری مکمل ہے ہی۔" انس کے لب و لہجے میں مردوں والی مخصوص بے فکری بول رہی تھی۔ جبکہ سوہا سر ہلا کر ایک بار پھر حدید کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ اس سے حدید کا اس قدر محو ہو کر ناشتا کرنا برداشت نہیں ہوا جبھی بے ارادہ اسے پکار بیٹھی۔
"حدید بھائی۔" وہ بنا چونکے متوجہ ہوا۔ مطلب وہ اس کی بات سن رہا تھا۔
"وہ...." اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا بات بنائے۔ "آپ نائلہ کا موبائل مانگ رہے تھے بار بار.... کوئی کام تھا کیا۔" حدید کے منہ میں گھومتا نوالہ ساکت ہوا۔ اس کے جبڑے بھنچے لیکن چہرے کی سنجیدگی میں فرق نہیں پڑا۔ سوہا کو لگا اس نے کوئی بہت ہی غلط بات غلط موقع پر چھیڑی ہے۔ مگر وہ جواب دینے کے بجائے انس سے کہنے لگا۔
"فرصت ملے تو بات سننا میری۔" اس کا لہجہ ہرگز بھی نظرانداز کیے جانے کے لائق نہ تھا۔
"کیا بات ہے بتا دو ابھی۔" انس بھی فوراً" متوجہ ہوا۔
"نہیں مجھے...." اس نے کھڑے ہو کر سوہا کو دیکھا۔
"اکیلے میں کرنی ہے۔ صرف تم سے 'چلتا ہوں خدا حافظ۔" سوہا اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی۔ پھر کوئی فیصلہ کر کے تیزی سے باہر نکلی۔ حدید بائیک کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے آواز دی تو پلٹ کر دیکھا۔
"آپ کو جو بھی ضروری بات کرنی ہے۔ آپ کر سکتے ہیں ابھی۔ میں اوپر چلی جاتی ہوں۔" بے حد سادگی اور محبت بھرے لہجے میں وہ اسے دیکھ کر بولتی ہوئی نزدیک آئی۔ حدید بے ساختہ مسکرا دیا۔
"اتنی بھی ضروری نہیں۔ شام میں کرلوں گا۔" اس نے پھیکے پن سے مسکرا کر سوہا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ سوہا کو اس کی مسکراہٹ بے حد بھلی لگی لیکن.... پھر جانے کیا ہوا۔ وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک پڑی۔
"ارے ارے.... کیا ہوا بھئی۔" اس نے جلدی سے اس کا سر پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔ سوہا آنکھیں صاف کرتی سوں سوں کر کے نفی میں سر ہلانے لگی۔
"بہت کچھ ہو جاتا ہے زندگی میں گڑیا! ایسے ہمت تھوڑا ہی ہارتے ہیں۔"
سوہا کو اس کے تھکے ماندے لہجے پر اور ٹوٹ کر رونا آنے لگا۔ مگر اس کی پشت پر انس باہر نکل آیا تھا۔ اور وہ اب اپنا مذاق نہیں اڑوانا چاہتی تھی۔ اس لیے ضبط سے چہرہ صاف کرنے لگی۔
انس نے حدید سے اشارے سے پوچھا۔ حدید مسکرانے لگا۔
"کچھ نہیں یار بچی ذرا جذباتی ہو گئی۔" اب کی بار اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بشاشت تھی۔
"میری بچی!" انس قریب آیا اور حدید کو بڑا جتانے والے انداز میں بولا۔ حدید ہلکے سے ہنس دیا جبکہ سوہا کی روتے میں بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ حدید کے جانے کے بعد وہ انس کی طرف پلٹی۔

"میں کوئی بچی وچی نہیں ہوں۔ اچھا۔" اس کا انداز صاف چڑانے والا تھا۔
"اور ریلی بے بی۔" اب کی بار انس اور شوخ ہو گیا۔ سوہا اسے زبان چڑا کر اندر جانے لگی تب ہی انس کو کچھ یاد آیا۔
"سنو ماہا سے بات ہوئی دوبارہ....؟"
"رات میں فون کروں گی۔" اس نے اندر جاتے جاتے آواز لگائی تھی۔

☆ ☆ ☆

فضائیوں میں بہت چپکے اور آہستگی سے خنکی سمٹ آئی تھی۔ صبح کاذب کے وقت اگر بازو کھلے ہوں تو بے ساختہ لپیٹ لینے کو دل کرتا اور عشاء میں ٹھنڈے پانی سے وضو کا خیال ایک بار تو ضرور ہی 'آلکسی' کھا جاتا۔ ایسی ہی ایک خنک رات میں گرم دودھ کا گلاس خالی کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے حبیب نے ایک ایسی بات کہی کہ ماہا حیرت کے مارے بت سی بن گئی۔
"کیا.... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"
"ہو کیوں نہیں سکتا۔"
"اب نائلہ نہیں ہے وہاں جو اپنی بہن کا ہر کام سنبھال لے۔" اس کے لہجے میں بے حد سرسری سی یاددہانی تھی۔
"ہاں تو کیا ہوا۔ انس نے بتا دیا ہے مجھے' سوہا چلی جائے گی رکنے۔"
"جب وہ جائے گی تو میں کیوں نہیں۔" اس نے تنک کر ڈریسنگ پر دودھ کا گلاس پٹخا۔ حبیب نے ناگواری سے اس کے انداز کو دیکھا اور پھر جواب دیے بنا موبائل میں گم ہو گیا۔
"میں آپ کو بتا رہی ہوں آخری بار...." حبیب کا یوں نظرانداز کرنا اسے بے حد کھل گیا۔
"میں دو دن پہلے چلی جاؤں گی اور پھر ولیمہ کر کے ہی آؤں گی واپس۔"
"میری بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔"
"نہیں.... کوئی اہمیت نہیں۔ کیا آپ کے نزدیک ہے اہمیت میری بات کی۔" اسے بتدریج غصہ چڑھ رہا تھا۔
"ہے جبھی تو بھیج رہا ہوں شادی میں۔"
"ہاں عین وقت پر مہمانوں کی طرح۔ کیا کہیں گے سب خاندان کے لوگ۔"
"نہیں جو کچھ بھی کہنا تھا وہ' میرے بارے میں سچائی سن کر کہہ چکے۔ اب کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" سرد مہری اور لہجے کی ٹھنڈک' برف کو مات دیتی ہوئی تھی۔ ماہا کا مزاج بری طرح بگڑ گیا۔
"کوئی کچھ کہے یا نہ کہے۔ میں جو کہہ رہی ہوں۔ میں وہی کروں گی۔ سن لیا آپ نے۔ مجھے جانا ہے۔ میں جاؤں گی۔ کوئی میرے اوپر نہ پابندی لگا سکتا ہے۔ نہ روک سکتا ہے مجھے...." اب کی بار وہ بلا خوف و خطر چلائی تھی۔ تب ہی دستک کی آواز نے بحث میں خلل ڈالا۔
"کیا بات ہے۔ کیا لڑائی جھگڑا ہو رہا ہے آدھی رات کو۔" آنے والی مزنہ تھیں۔ ماہا نے شدید ناگواری سے انہیں دیکھا۔
"اور تمہیں اپنے شوہر سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ جب دیکھو لڑائی جب دیکھو بدتمیزی اور زبان درازی۔ وقت دیکھو گھر کا ماحول دیکھو مگر نہیں۔ کیا بات ہے حبیب۔"

بمشکل اپنی زبان کو روک کر حسیب کی جانب متوجہ ہوئیں۔
"نہیں.... میں بھی ابھی یہی کہہ رہا تھا کہ آہستہ بولو۔"
"ہاں تمہارے ایک بار بولنے کا ضرور اثر ہو گا مہارانی پر۔ بچپن سے ماں کے گھر سے پتا نہیں کیا سیکھا۔"
"آپ کی طرح دوسروں کا معاملات میں ٹانگ اڑانا نہیں سیکھا کم از کم۔" جب برداشت کی حد ہو گئی تو وہ بول ہی پڑی۔ زبان ایک ایسا تالا ہے جو جب تک لگا رہے لگا رہے، مگر جب ایک بار کھل جائے تو برے الفاظ بن بلائے مہمان کی طرح وقت بے وقت بے تکلفی سے چلے آتے ہیں۔ وہ یہ شرم ہے جو ایک بار ختم ہوتی ہے تو پھر زندگی میں بار بار انسان کو شرمندگی سے دوچار کرتی ہے۔
"ماہا!" اب کی بار مزنہ نے نہیں، حسیب نے درشتی سے اسے پکارا تھا۔
"شرم نہیں آتی تمہیں بڑوں سے بدتمیزی کرتے ہوئے۔ معافی مانگو آپی سے۔" کمرے کے ماحول اور منظر نے اس تیزی سے رنگ بدلا کہ خود مزنہ بھی گڑبڑا سی گئیں، مگر صرف چند لمحوں کے لیے بعد میں ان کی گردن اور اکڑ گئی اور ماہا کی حالت ایسی تھی کہ اس کے سفید چہرے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اب گری کہ تب....
"معافی مانگو۔ کیا کہہ رہا ہوں۔"
حسیب کی بلند آواز دوبارہ گونجی۔ وہ چونک کر کسی گہرے خیال سے جاگی اور شدید نفرت آمیز نگاہ ان دونوں بہن بھائی پر ڈالتی ہوئی باتھ روم میں بند ہو گئی۔ باتھ روم کا دھاڑ سے ٹکرانے والا دروازہ مزنہ کو اپنے منہ پر طمانچے کی طرح ہی لگتا اگر جو فوراً" حسیب ان سے معذرت نہ کر لیتا۔
"آئی ایم سوری آپی۔ ماہا کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے آج کل۔ اس کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔" حسیب کی آواز واش روم تک آ رہی تھی۔ اور ماہا واش بیسن میں پانی کے ساتھ ڈھیروں آنسو بہا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگر کسی اور حالات میں گھر میں اتنی حادثاتی فوتگی ہوئی ہوتی تو اتنی جلدی کسی خوشی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن.....
"معراج اللہ سمجھے تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو۔" عفت کے گنتی کے چند جہیز کے جوڑے سجے سجائے پیکنگ میں رکھے دیکھ کر ان کے دل سے ایک ہوک سی نکل گئی۔ یہی حال باقی گھر والوں کا تھا۔ اتنے بڑے غم کے بعد خوشی کا موقع اتنی جلدی بس زبردستی ہی چلا آیا تھا کہ کوئی بھی ڈھنگ سے اس کا استقبال تک کرنے کو تیار نہ تھا۔
سوہا نے بے دلی سے انس کے ساتھ جا کر اپنا ڈریس لیا۔ اور وقت بچانے اور دل نہ لگنے کی خاطر ماہا اور عفت کا بھی رنگ بدل کر ویسا ہی لے لیا۔ عفت کا سوٹ اس کے جہیز میں رکھ دیا گیا۔ باقی چیزوں کی شاپنگ بھی بس ایسے ہی کی گئی کہ چند گھنٹے ہی لگے۔ اور میک اپ سے لے کر سینڈلز چوڑیاں اور ہیئر کلپ تک آ گئے۔ حالانکہ عفت نے سختی سے کسی بھی چیز کی خریداری کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ایسا کرتے سے اس کی آنکھوں میں اپنی بچھڑی بہن کا غم ہلکورے لے رہا تھا۔ اور دل اس کی جدائی کے سبب بے انتہا کرب انگیز کیفیت میں تھا۔ لیکن رضوانہ نے اسے سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔
"اپنے سسرال والوں کا مزاج دیکھ کر چلو بیٹی۔ پہلے ہی ان کے خیالات تمہارے بارے میں اچھے نہیں۔ اگر تم نے کسی بھی رسم یا بناؤ سنگھار سے انکار کیا تو کہیں وہ اس بات کو بھی مسئلہ نہ بنا لیں۔" ان کی بات ٹھیک ہی تھی۔

عفت ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
ماں باپ کی دہلیز چھوڑنے کا غم، نئی زندگی نئی خوشیاں اور محبت بھرے ہمسفر کی جس خوشگواریت میں ملفوف ہوتا ہے۔ اس کا ایک ہلکا سا شائبہ بھی اس کے دل میں نہ تھا۔ البتہ اس کی جگہ اگر کسی جذبے نے دل میں ڈیرے ڈال رکھے تھے تو وہ تھا خوف۔ اور صرف خوف۔ رضوانہ اس کی کیفیات سمجھ سکتی تھیں۔ اس لیے اسے دل کھول کر رونے دیا۔ اور تھوڑی دیر اس سے اس کے کپڑوں اور جہیز کی دوسری چیزوں کا پوچھ کر لسٹ بنانے کے بہانے اسے پھسلا بھی لیا۔
سب کو انتظار تھا تو اس دن کا، جس دن عفت اس گھر کی دہلیز کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے پیا کے سنگ رخصت ہو جاتی۔ لیکن سب لوگوں کو جہاں اس دن کا انتظار تھا۔ وہیں دو افراد ایسے بھی تھے۔ جن کی خوشیاں تفکرات کی دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔
ماہا۔ جس کو حسیب نے گھر جا کر رہنے سے منع کر دیا تھا۔
اور حدید۔ جس کے کانوں میں وقت بے وقت ان چاہی آوازیں گونجتیں اور اس کا سارا اطمینان غارت کر دیتیں۔

☼ ☼ ☼

فضا میں مغرب کی اذان کی آوازیں گونجیں تو اس نے چہرے اٹھا کر دونوں ہتھیلیوں سے اس کی نمی کو رگڑ ڈالا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا تھا اور کتنی دیر گزر گئی۔ یہاں خاموشی سے بیٹھ کر آنسو بہاتے ہوئے۔
آنکھیں صاف کرنے کے بعد جونہی دائیں جانب نگاہ اٹھی وہ بری طرح ڈر گئی۔ اور پھر فوراً" ہی چہرے پر ناگواری بھی پھیل گئی۔
"آپ کے گھر میں آج آپ کی کزن کی مایوں ہے۔ آپ جانے کے بجائے یہاں بیٹھی ہیں۔" اس کا انداز آج بھی نرم اور دوستانہ تھا۔
"تم سے مطلب۔" وہ ہمیشہ کی طرح پھاڑ کھانے کو دوڑی۔
"جاؤ اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر ان کا غم غلط کرو۔"
"غم تو میں آپ کا بھی غلط کر سکتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں۔"
"اونہہ۔ بڑے آئے کہیں سے۔" وہ تیزی سے سر جھٹک کر کھڑی ہوئی اور نیچے جانے کے لیے پر تولے۔ عصر کے وقت چھت پر آئی تھی۔ اور اب مغرب ہو چکی تھی۔
"اگر آپ کو اپنی امی کے گھر جانا ہے تو میں لے چلتا ہوں۔" اسے جاتا دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔ ماہا ٹھہر گئی۔ بات ہی ایسی تھی۔ سیدھی دل کو لگی تھی۔ پھر کچھ خیال آ گیا۔
"تم کیسے لے جاؤ گے۔"
"گاڑی سے اور کیسے۔"
"اوفوہ۔" وہ الجھی اور بولی۔ "میرا مطلب ہے۔ حسیب نے منع کر دیا ہے۔ مجھے جانے سے۔ پتا نہیں انہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔"
اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو بھرنے لگے۔ پھر اسے دیکھا تو تنک گئی۔
"اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ تم نے میری زندگی میں یہ ساری نحوست پھیلائی ہے۔" وہ بری طرح اس پر

الٹ پڑی۔ مگر وہ برا مانے بنا مسکراتا رہا۔
"چلیں اگر میری لائی ہوئی مصیبت ہے۔ تو پھر مجھے ہی اس مصیبت کو بھگانا چاہیے نا!" وہ دو قدم آگے آیا۔ اور دھیرے سے بے حد نرمی سے بولا۔
"آپ تیاری کرلیں۔ بابا سے پرمیشن میں لے لوں گا۔" ماہا کا دل پگھلا۔ مگر اگلے ہی لمحے پتھر ہو گیا۔
"رہنے دو۔ وہ نہیں جانے دیں گے۔ احسان الگ ہو جائے گا۔"
"اگر انہوں نے روکا تو آئی پرامس۔ میں ود آؤٹ پرمیشن لے جاؤں گا آپ کو۔"
ماہا اس کی بات پر بے اختیار پلٹی۔ وہ ایک سیڑھی نیچے اتر چکی تھی۔ اور ولید دہلیز سے دو قدم ہی پیچھے تھا۔ اس کے چہرے پر لکھی سچائی کوئی بھی پڑھ سکتا تھا۔ وہ واپس پلٹ گئی۔ اور جب وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتی جا رہی تھی۔ تو لبوں پر ایک انجانی خوشی سے پھوٹنے والی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر پر ایک رونق لگی ہوئی تھی۔ سب ہی نے اس کی ولید کے ساتھ آمد کو ایک معنی خیز تناظر میں دیکھا تھا۔ خاص طور پر سوہا کو ایک عجیب سا اطمینان ہوا۔
"تم اس کے ساتھ کیسے خیریت۔۔۔"
ذرا سی تنہائی کا موقع ملتے ہی اس نے اپنی بے چینی کو زبان دے دی۔
"ہاں ہاں خیریت ہی ہے۔ بڑی منتیں کر رہا تھا۔ میں لے چلتا ہوں۔ کیونکہ حسیب کا تو آج کل دماغ ہی ٹھکانے پر نہیں۔ پتا نہیں کس نے ان کو کیا بھر دیا ہے کہ وہ دن رات میرے یہاں آنے پر پابندیاں ہی لگاتے رہتے ہیں۔ ابھی بھی واپس آنے کے وعدے پر بھیجا ہے۔" ماہا بھی ناک تک بھری ہوئی تھی۔
"تو ابھی کیسے آنے دیا۔" وہ لوگ اوپری حصے میں کھڑی رسم کے لیے گجرے اور ہار وغیرہ پلیٹوں میں سیٹ کر رہی تھیں۔
"ولید نے ہی لے کر دی اجازت۔" ماہا خود میں حد سے زیادہ مگن تھی۔ تب ہی سوہا کے لبوں سے پھوٹتی مسکراہٹ دیکھ کر چونکی۔
"لو تو بچہ تو تمہارے کام کا نکلا۔"
"رہنے دو بچہ نہیں ہے وہ۔ اور وہ اتنے ہی کام کا ہے۔ تو گود لے لو نا۔" یہاں ماہا بدکی۔ سوہا کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"میں کیوں لوں۔ اگر انس کا ہوتا تو ضرور لے لیتی۔" اب کی بار دونوں کی بوکھلاہٹ دروازے کے باہر اپنا نام سن کر رکتے ہوئے ولید کے کانوں نے بھی سنی۔ وہ بھی شرارت سے مسکرا دیا۔
"آپ کا کچھ لگتا ہوں میں خالہ جان۔" دل ہی دل میں اس نے سوہا کو مخاطب کیا۔ جبکہ اندر ماہا دھیرے سے سوہا کو ٹوک رہی تھی۔
"توبہ کرلو۔ بے شرم۔" ولید وہیں سے پلٹ گیا۔
چھوٹے سے گھر کے نچلے حصے میں خوب شور برپا تھا۔ کسی لڑکی نے ڈھولک منگوالیا تھا۔ گانوں کی آواز باہر تک جا رہی تھی۔ ولید نے زندگی میں پہلی بار ایسی کسی تقریب میں شرکت کی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی لڑکیوں کے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔ گانے وانے تو کیا گائے تھے۔ بس شور و غل 'ہاؤ ہو' مچا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج کی تقریب میں معراج کے گھر والوں کے ساتھ' معراج کو خود بھی انوائٹ کیا گیا تھا۔ تاکہ خاندان کے دو ایک قریبی گھرانے ہیں جو نکاح کے وقت اس سے مل نہیں سکے تھے۔ اب فرصت سے مل بھی لیں اور شکوہ بھی دور ہو جائے۔ ان سب لوگوں سے دور' والدہ بیٹے اور بہنوں کے گھر والوں کے علاوہ خاندان کے دوسرے چیدہ چیدہ افراد کے ساتھ کوسٹر میں معراج مستقل مسکرا رہا تھا۔ بتول بظاہر خوشی نظر آتی تھیں لیکن ان کا دل ہی جانتا تھا کہ معراج کی ضد اور ہٹ دھرمی نے انہیں کتنا کلسایا تھا۔

یہی حال دونوں بہنوں کا بھی تھا۔

بس نہیں چلتا تھا کہ معراج کے ہاتھ پیر باندھ کر گن پوائنٹ پر یہ نکاح ختم کروا دیتیں۔ ان لوگوں کو اپنا بھائی بالکل ہاتھوں سے نکلا ہوا لگتا تھا۔

غصے اور جلن کے مارے وہ دونوں بھائی کی طرف دیکھ تک نہیں رہی تھیں۔ جو سب سے آگے کی سیٹ پر اپنے بیٹے کو برابر میں بٹھائے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔

"بابا! ناریل۔" سگنل پر رکی گاڑی' کب سے چلنے کو تیار کھڑی تھی لیکن ٹریفک جام میں بری طرح پھنس چکی تھی۔

"یا اللہ کیا مصیبت ہے۔ کھڑکی کھولو بھئی۔" تبسم کی برداشت جواب دے رہی تھی۔ جب ہی گاڑی نے ذرا سا رینگنے کے بعد ایک جھٹکا کھایا' بے دھیانی میں بیٹھے لوگ اپنی اپنی جگہ ہل کر رہ گئے۔ اور ابھی واپس اپنی جگہوں پر سنبھل ہی نہیں پائے تھے کہ دو اجنبی شکل و صورت کے لڑکے دھڑ دھڑ کرتے بس کے اندر گھس آئے۔ ان کے انداز اور ہاتھوں میں دبی پستول نے لمحے بھر میں سب کو معاملہ سمجھا دیا۔

"سیدھے بیٹھو سب۔ خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔" آواز تھی کہ نقارہ۔ عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ سڑک باہر ٹریفک سے بھری ہوئی تھی۔ گاڑیاں رینگ رہی تھیں۔ ذرا کی ذرا سرکتیں اور پھر رک جاتیں۔ ایسے میں کسی بس میں چیخ و پکار دوسروں کو متوجہ کر سکتی تھی؟ سامنے کھڑے اسلحہ بردار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ سے سامنے سیٹ پر بیٹھا بچہ دبوچ کر بغل میں دبایا۔ اور اس کے سر پر پستول کی نال ٹکائی۔

"جو کچھ بھی جس کے پاس ہے ایک منٹ میں نکال دو ورنہ......" اور اس ورنہ کے آگے بس میں موت والی ہی خاموشی تھی۔ علی نے دہشت سے بھری معصوم آنکھیں' معراج پر گاڑ دیں۔ اور ہولے سے پکارا...."بابا..." اس کی آواز میں ایسی کراہٹ تھی کہ سب سے پہلے بتول ہی ہڑبڑا کر جاگیں۔

"اے بچے کو کچھ نہ کہنا بھیا۔ ہم دیتے ہیں' دے رہے ہیں سب۔" آج بتول کی آواز دوسروں کے ساتھ ساتھ خود انہیں بھی اجنبی لگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بھرے پرے گھر میں کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ چلبلی رونقوں میں اب بے چینی کا عنصر دھیرے دھیرے سرایت کر رہا تھا۔ کئی ایک کے چہروں پر جھلکتی بے چینی بھانپ کر بھی سوہا نے دوسری بار نظر انداز کی لیکن کب تک۔ آخر تایا ابا ہی بول اٹھے۔

"ارے بھئی فون کرو ان لوگوں کو آخر اتنی دیر کیوں لگ گئی۔" ان کی بارعب آواز' کمزوری میں بھی سب سے نمایاں تھی۔

"جی تایا ابا میں ابھی کہتی ہوں انس بھائی سے۔" کھوئے کھوئے انداز میں مہمانوں اور خوش گپیاں کرتی لڑکیوں

کو دیکھتی ماہا کسی نیند سے جاگ کر چونکی اور باہر نکلی۔ سامنے ہی انس فون کان سے لگائے دوسری طرف شاید کوئی بات سن رہا تھا۔ لیکن ماہا کا اندازہ غلط نکلا۔ انس نے وہیں کھڑے کھڑے دو تین بار کال ملائی اور پھر مایوس ہو کر کاٹ دی۔

"معراج کے فون پر بیل جا رہی ہے۔ مگر کوئی ریسیو نہیں کر رہا۔" اس کا لہجہ سخت تشویش زدہ تھا۔

"ہو سکتا ہے راستے میں ہوں۔" وہ بولتی ہوئی آگے آئی اور امید افزا نظروں سے سوہا کو دیکھا۔

اس سے اسے جانے کیوں سوہا کی رنگت اڑی اڑی سی لگی۔ اس نے قریب جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے۔" سوہا چونکی۔ پھر نفی میں سر ہلا کر گہری سانس بھر کے بولی۔

"دیر ہوتی جا رہی ہے۔ کب وہ لوگ آئیں گے کب رسم ہوگی کب کھانا لگے گا۔ سب کو بھوک الگ لگ رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ شادی بیاہ کی تقریبات میں دیر سویر ہو جاتی ہے۔"

"پھر بھی۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ انس نے ایک بار پھر جھنجلا کر لائن کاٹی تھی۔

"مت بار بار کال کریں۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ پہنچنے ہی والے ہوں۔"

"اگر پہنچنے بھی والے ہیں۔ تو انفارم کرنے میں کیا حرج ہے۔" اب کے اس کا انداز بگڑا ہوا تھا۔

"چلیں چھوڑیں تھوڑی دیر اور دیکھ لیں۔ میں عفت کے پاس جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ اس کے پاس کوئی میسج وغیرہ آیا ہو۔" ماہا بولتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

عفت کو اس کی ایک دوست تیار کرنے کے لیے تھوڑی دیر پہلے ہی اوپر لے کر گئی تھی۔ ماہا کمرے میں داخل ہوئی تو اس کی تیاری آخری مراحل سے بھی نمٹ چکی تھی۔ گہرے سبز کرتے اور چوڑی دار زرد پاجامے کے ساتھ سر پر بھاری کامدار زرد دوپٹے کا زرتار آنچل لیتے اس پر آج کوئی انوکھا ہی روپ چڑھا تھا۔ ماہا کی جو اس پر نگاہ پڑی تو وہ پچھلی بات ہی بھول گئی۔

"ماشاء اللہ۔ کتنی حسین لگ رہی ہو تم عفت۔ واہ بھئی۔" اس کی پرستائش نظریں ان بولوں کی محتاج نہیں تھیں۔ اس کے لبوں سے اچانک پھوٹ پڑنے والے مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک نے عفت کو احساس دلایا کہ بیوٹیشن جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ آئینہ بھی غلط نہیں تھا۔ وہ آج واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"ہائے اللہ کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔ میری جان کو۔" بہت آہستگی سے اس نے عفت کا شرمایا ہوا چہرہ ٹھوڑی سے اوپر اٹھا کر نگاہوں میں جذب کیا۔ انداز اتنا والہانہ تھا کہ عفت اپنا چہرہ جھکا کر ہنس دی۔

"آج تو معراج بھائی کی خیر نہیں۔ شرط لگالو اگر آج ہی رخصتی کا نہ کہہ دیا نا! تو میرا نام نہیں۔ اور لگتا ہے آج تمہاری بھی خیر نہیں۔ چھوڑ کر نہیں جانے والے وہ تمہیں۔ بیٹا۔" اس کے انداز میں شرارت تھی۔ پاس کھڑی بیوٹیشن جوان لوگوں کی دوست بھی تھی کھلکھلا کر ہنس دی۔ ماہا نے اس کا ساتھ دیا۔

"کیا ہوا آ گئے وہ لوگ۔" ان لوگوں کے برعکس عفت کے چہرے پر ذرا فکرمندی جھلکی۔

"ابھی نہیں آئے۔ تم یہاں بیٹھو۔ اور ریلیکس رہو۔ زیادہ پسینہ نہ آئے۔ موسم بھی پتا نہیں کب ٹھیک ہو گا۔" ماہا اور بھی جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن عفت کا دل ان الفاظ پر اٹک گیا۔

"ابھی نہیں آئے۔ ابھی تک۔" اس کے اندر ایکا ایکی کچھ ڈوب کر ابھرا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے او ربا۔ اے کی رولا پے گیا سی۔" بتول اپنے خاص انداز میں واویلا کر رہی تھیں۔ ان کے کمرہ بھانت بھانت کے لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ سب ہی عورتوں کے ہاتھ کان اور گلے زیور سے، جبکہ مردوں کی جیبیں والٹ سے خالی تھیں۔

بتول کی حالت سب سے دگرگوں تھی۔ وہ باقاعدہ آنسوؤں سے روتی عفت اور تمام گھر والوں کو کوسنے دے رہی تھیں۔ قریب ہی زہرہ اور تبسم بیٹھی ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے مردوں میں کچھ دیر پہلے وقوع پذیر ہونے والا واقعہ الگ الگ انداز میں زیر بحث تھا۔ کوئی شہر کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر شکوہ کناں تھا۔ تو کوئی چند دن پہلے ہی اسٹریٹ کرائمز میں اپنا موبائل گنوا کر بیٹھا تھا اور آج پھر۔

عورتیں بھی اپنے اپنے انداز میں تاسف سے ہاتھ مل رہی تھیں۔ زیادہ تر نے نقلی زیور پہنا تھا۔ اس لیے بتول کا زخم سب سے گہرا تھا۔ اس نے نہ صرف خود سونے کی چوڑیاں پہنی تھیں بلکہ متوقع سمدھیوں پر رعب جمانے کے لیے زبردستی بیٹیوں کو بھی اصلی زیور پہنایا تھا۔ بقول ان کے بارات اور ولیمے میں تو میچنگ کے نقلی زیور پہننے ہی ہیں۔ اس لیے عفت کے گھر والوں پر اپنی حیثیت (اپنے تئیں) کا رعب ڈالنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی موقع نہ تھا۔

غور طلب بات یہ تھی کہ ان سب کو اپنا اپنا زیور اپنے موبائل گھڑیاں اور پیسے کا غم ستا رہا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اس معصوم کی جان بچ جانے کا شکر ادا نہیں کر رہا تھا۔ جسے کچھ دیر پہلے ڈاکوؤں نے پستول کی نال پر رکھا ہوا تھا۔ کسی نے جھوٹے منہ بھی سب مادی اشیاء کو اس کی جان کا صدقہ نہیں سمجھا تھا اور نہ ہی سمجھنے کو تیار تھا۔ سب کے نزدیک اپنا نقصان بڑا تھا اور بتول کا سب سے بڑا۔۔۔ کیوں کہ ان کے ہاتھ سے ان کا اپنا زیور ہی نہیں بلکہ ڈیڑھ تولے کا وہ قیمتی سیٹ بھی چلا گیا تھا۔ جو انہوں نے بے حد بددلی سے عفت کو چڑھانے کے لیے بنوایا تھا۔

"ہائے اللہ۔۔۔ میں کی کراں میں کتھے جاواں۔۔۔ ساری خون پسینے کی کمائی لے گئے۔ منحوس اللہ غارت کرے انہیں۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔" بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے ہائے وائے کرتے اسے کچھ خیال آیا اور وہ جوش سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"اور اللہ غارت کرے اس منحوس بخت ماری کو۔۔۔ جس نے میرے بیٹے کی ساری خوشیاں کھالیں۔ ارے بلاؤ اس جورو کے غلام کو اس کو ابھی بھی ہوش آیا کہ نہیں۔۔۔" تبسم اور زہرہ سے کہتے کہتے انہوں نے منہ کھولا اور پھیپھڑوں کی پوری طاقت صرف کر کے معراج کو آواز دی۔

"معراج۔۔۔ معراج۔۔۔ ادھر آ۔۔۔ کہاں جا کے چھپ کر بیٹھ گیا۔ کم بخت۔۔۔" بتول کی آواز کسی نقارے کی طرح پورے گھر میں گونج گئی۔ معراج نے تھکے تھکے انداز میں کمرے میں قدم رکھا۔ ذرا دیر پہلے ہونے والے واقعے نے اسے سر تا پیر ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بندوق کی نوک پر اپنے معصوم اکلوتے بیٹے کی جان دیکھ کر عفت سے محبت اور ساتھ نبھانے کے سارے وعدہ دھڑام سے زمین بوس ہو گئے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کے بس سے اترنے کے بعد معراج نے ہی ڈرائیور کو بس گھر کی طرف واپس موڑنے کو کہا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ اس لمحے کے گزر جانے کے بعد وہ نہ چاہتے ہوئے بتول کی باتوں میں حقیقت کی جھلک تلاش کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"ان کے گھر کی مصیبت تب تک ہے جب تک وہ وہاں ہے۔۔۔ جب وہ یہاں آئے گی تو اپنی نحوست ساتھ لائے گی۔ تم لکھ کر رکھ لو۔" اسے کسی دن کی کہی ہوئی ماں کی بات یاد آئی تھی اور وہ فقط اک آہ بھر کر رہ گیا تھا۔

"منہ بند کر کے کیا بیٹھ گیا ہے۔ میں کہتی ہوں ابھی فون کر۔۔۔ اور ابھی طلاق دے اس منحوس کو۔۔۔" معراج کو یوں جھکے سر کے ساتھ آتا دیکھ کر بتول بالکل آپے سے باہر ہو گئیں۔ حالانکہ لوٹا ماری شہر میں روز کا معمول تھا مگر بتول کا ایمان تھا کہ ان پر آئی ہوئی ہر مصیبت کی پیچھے اس کی نئی نویلی بہو کا ہاتھ ہے۔ معراج نے سر اٹھا کر بے بس سے انداز میں تبسم کو دیکھا۔

"ہمیں کیا دیکھ رہے ہو۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں۔ اب تو کسی صورت یہ رشتہ آگے نہیں چل سکتا۔ ہمارا نہیں تو اپنے بیٹے کا خیال کر لو۔ جان جاتے جاتے بچی ہے اس کی آج۔" تبسم کی بات' معراج کے متزلزل خیالات میں تابوت کی آخری کیل کی طرح تھی۔ جو دل کو چیرتی ہوئی اندر تک اتر گئی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں ہمیں راستے سے واپس آنے کے بجائے اسی وقت جا کر ان کے منہ پر رشتہ توڑنا چاہیے تھا تاکہ اس مصیبت کی منحوسیت کے بارے میں اس کے خاندان والوں کو بھی پتا چلتا۔" اس دم معراج کا موبائل فون ایک بار پھر بجنے لگا۔ انس کی ایک بار پھر کال آ رہی تھی۔ جسے وہ کتنی دیر سے نظرانداز کر رہا تھا۔

"کس کا فون ہے۔" تبسم ایک دم چوکنی ہو گئی۔

"اگر تیرے سسرال سے ہے تو ابھی اٹھا اور ابھی کے ابھی دو حرف بھیج اس پر۔" بتول کے منہ سے گالیاں بھی ساتھ ساتھ نکل رہی تھیں۔ معراج متذبذب سا ہو گیا۔

"رکو۔۔۔ رک جاؤ۔۔۔" تبسم ایک دم فیصلہ کر کے اٹھی اور اس کے ہاتھ سے سیل لے کر لائن کاٹ کر سیل آف کر دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ریسیو کرنے کی۔ نہ جواب دینے کی۔ اچھا ہے۔۔۔ کرنے دو انتظار۔ جس اذیت اور تکلیف سے ہم گزر رہے ہیں۔ اس کا تھوڑا سا مزہ وہ تو چکھیں۔" اس نے بات مکمل کر کے سیل واپس معراج کی گود میں پھینک دیا اور خود ماں کے پاس بستر پر بیٹھ کر پیر پسار لیے۔

"چل بھئی زہرہ کپڑے بدل اور چائے بنا کر لا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب جو ہونا ہے وہ ہماری مرضی سے ہو گا بس۔" معراج سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا رہا۔ اس کے اندر ماں بہنوں سے اختلاف کی طاقت نہیں بچی تھی۔

☼ ☼ ☼

معراج کا فون آف ہو جانے کے بعد کسی بری خبر کا الارم سب ہی گھر والوں کے کانوں میں پوری قوت سے بجنے لگا تھا۔ پھر بھی یہ وقت جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کا تھا۔

"ہم سب سے کہہ دیتے ہیں۔ بتول آنٹی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ لوگ نہیں آ رہے۔" تائی اماں اور چچی جان چہروں پر دنیا جہان کی پریشانی سمیٹے انس کو سن رہی تھی۔ اس وقت اوپر والے حصے میں سوائے تایا ابو کے سب ہی افراد موجود تھے۔

"اور وہ جو لوگ رسم کرنے کے انتظار میں ہیں کب سے۔" چچی جان نے بمشکل خود کو اس حل کے لیے سنبھالا تھا۔

"آنٹی دیکھیں۔ اس وقت ہمیں نہیں پتا معاملہ کیا ہے۔ جب تک دوسری طرف بات نہیں ہو جاتی ہمیں۔ سب خیریت ہی رکھنی ہے اور دکھانی بھی ہے۔"

"اور ان شاء اللہ سب خیریت ہی ہو گی۔" سوہا کو انس کی بات آگے بڑھاتے ہوئے اپنی آواز خالی ٹین میں بجتے

کنکروں سے مختلف نہیں لگ رہی تھی۔
"اب یہ تو کل ہی پتا چلے گا۔ فی الحال عفت کو لے کر چلیں۔ رسم اور کھانے سے فارغ کر کے سب لوگوں کو گھر بھیجیں اس کے بعد دیکھا جائے گا۔" انس نے بے حد عجلت میں بات سمیٹی اور عفت کا سر تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔
پتھر کا بت بنی عفت کے اندر اتنی بھی طاقت نہیں بچی تھی کہ اپنے رخساروں پر لڑھک آنے والا کاجل ہی پونچھ لیتی۔ سوہا اور ماہا خود اندر سے بے حد پریشان اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتیں۔ دل ہی دل خیریت کا ورد کرتیں اسے نیچے سب کے درمیان لے آئیں۔
رضوانہ اور تائی اماں تب تک انس کے ساتھ مل کر صورت حال سنبھال چکی تھیں۔ رسم کا آغاز ہوا۔ عفت سر جھکائے مٹی کی صورت کی مانند اپنے ہاتھوں پر لگتا ابٹن اور زبان پر گھلتے ذائقے کو محسوس کرتی رہی۔ آج ابٹن کا امنگوں بھرا زرد رنگ سیاہ اور مٹھائی کا ذائقہ تلخ لگ رہا تھا۔ جانے کیوں....؟

☼ ☼ ☼

رات کا دوسرا پہر تھا۔ چاروں طرف چھائی خاموشی، تنہائی اور نیم تاریکی میں ایک اداس دل، سر جھکائے چپ چاپ اپنی دھڑکنوں میں زندگی تلاش رہا تھا۔
قریب ہی کہیں کوئی سرسراہٹ جاگی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ بالکل یوں لگا جیسے کوئی خوشبودار آنچل اس کے لیے اپنی نرم ہتھیلیوں میں کوئی عنایت دبائے نزدیک آیا۔
"چائے پی لیں....

پانی لے لیں....
ناشتا کرلیں....
دودھ...." وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے گہری سانس بھری اور تھک کر سر دوبارہ گھٹنوں میں گرا لیا۔
"کیوں وہ بازگشت میرا پیچھا نہیں چھوڑتی.... آخر کیوں.... میری سماعتیں۔ میری بصارتیں سب بھول کیوں نہیں جاتیں...." اس نے سخت اذیت سے بے بس ہو کر خود سے سوال کیا۔
"یا اللہ.... میری مدد کر.... مدد کر.... یا اللہ۔" وہ ٹوٹ رہا تھا۔ فریاد کر رہا تھا اور اس کی فریاد دور کھلے آسمان سے اوپر اور اوپر سفر کرتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کے دوسرے پہر کی خاموشی میں صرف سرگوشیاں زندہ تھیں۔ اندازے، قیافے.... اور کبھی کبھی کوئی شکوہ نما کوسنا بھی....
"بہت ہی بے غیرت لوگ ہیں۔ خدا جانے کیا سوچ کر یہ پنچ حرکت کی ہے انہوں نے۔"
"آخر اس سب کا مطلب کیا ہے بھئی.... اگر انہیں عفت کی رخصتی نہیں کرنی تو اس طرح ہمارا مذاق بنوانے کا مقصد....؟ سیدھی کلیئر کٹ بات کیوں نہیں کرتے۔" ماہا ولید کے ساتھ واپس جا چکی تھی۔ اب وہاں صرف رضوانہ، سوہا اور انس جاگ رہے تھے۔ تایا ابو چونکہ صورت حال کی سنگینی سے لاعلم تھے۔ اس لیے دوا کے زیر اثر گہری نیند میں جا چکے تھے۔ تائی اماں کو سوہا نے ہی زبردستی نیند کی دوا دی تھی اور عفت اپنے کمرے میں چیت لیٹی کھلی آنکھوں سے چھت کو گھورتی صرف عفت جاگ رہی تھی.... اسے انتظار تھا....

کسی کے پیغام کا... کسی کی فون کال کا... بڑی شدت سے... بہت یقین کے ساتھ، مگر پتا نہیں کیوں۔ اسے یقین کیوں تھا اس میں شدت کیوں تھی۔ شاید یہ اس کی محبت کی شدت تھی۔ اس کی چاہت کا مان اور یقین تھا جو نکاح جیسے مقدس بندھن میں بندھ جانے کے بعد اس کا دل معراج کی طرف سے بدگمان نہیں ہونا چاہتا تھا۔

دل کی الگ آواز تھی۔ دماغ کی الگ اور اس کے دل کی آواز اس وقت ہر چیز پر بھاری تھی۔ اس کے وجود میں دھیرے دھیرے سرائیت کرتی مایوسی سے بھی بھاری... دفعتاً" ارتعاش جاگا۔ اس کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی اور جیسے زندگی جاگ گئی۔ معراج کی کال آرہی تھی۔ اس کا یقین ضائع جانے سے بچ گیا تھا۔ اس نے لمحے سے بھی کم وقت میں کال ریسیو کی۔

"ہیلو... ہیلو معراج... میں بات کر رہی ہوں عفت... آپ لوگ کیوں نہیں آئے... سب نے کتنا انتظار کیا اور... سارے لوگ جمع تھے۔ ان کو کتنی مشکلوں سے سنبھالا... آپ... کچھ تو بولیں چپ کیوں ہیں۔" اس کے اندر کی گھٹن کو رستہ ملا تو وہ یک دم بے قابو ہو کر بہتی چلی گئی جبکہ دوسری طرف ہنوز خاموشی تھی۔

"آپ بولیں تو..." چند لمحوں بعد اسے خود ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بولے جا رہی ہے۔

"آئی ایم سوری عفت! میں... اب... اپنے اور تمہارے رشتے کو مزید نہیں چلا سکتا۔"

"کیا..." عفت کا منہ کھل گیا۔ "کیا مطلب..." اس کے لبوں سے فقط بے آواز الفاظ سرگوشی کی صورت نکلے۔ جنہیں معراج نے جانے کس طرح سن لیا۔

"آج ہم لوگ آ ہی رہے تھے تمہاری طرف..." اس نے دھیمے لہجے میں سارا قصہ گوش گزار کر دیا۔

"میں اب تک اپنی امی اور بہنوں کی ہر بات کو جھٹلاتا آیا ہوں اور میں اب بھی ان کی کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں لیکن..." اس کی خاموشی عفت کو اپنی گردن پر رکھی لات جیسی ہی لگی۔ جس کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا۔

"لیکن آج جو لمحات علی نے میری آنکھوں کے سامنے موت کے سائے میں گزارے وہ میرے لیے بہت تکلیف دہ تھے۔ میں سب کچھ سہہ سکتا ہوں۔ ہر بات برداشت کر سکتا ہوں لیکن... اپنے بیٹے پر کسی معمولی تکلیف کا سایہ تک نہیں جھیل سکتا۔ کجا یہ کہ میں جانتے بوجھتے اسے کسی مستقل آزمائش کی نظر کر دوں۔" وہ اتنا بے چارہ تھا نہیں۔ جتنا اس وقت بن گیا تھا۔ عفت کی آنکھوں سے چہرہ پر اترتا کرب لمحہ بھر میں اپنا رنگ بدل گیا۔

"تو یوں کہیں نا! کہ آپ بھی اپنے گھر والوں کی طرح میرے وجود کو اپنے بیٹے کے لیے نحوست کا باعث سمجھتے ہیں۔" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔ پچھلے چند گھنٹوں میں جھیلی گئی تمام تر اذیت اس وقت اپنی ذات کے دفاع کی کوشش میں اپنی موت آپ مر گئی۔

"میں ایسا نہیں سمجھتا پلیز... عفت میری بات کو سمجھو۔"

"آپ جو سمجھتے ہیں یا جو نہیں سمجھتے مجھے اس سے سروکار نہیں۔ آپ نے یہ کہنے کے لیے فون کیا کہ آپ مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں گو کہ یہ آپ کا نہیں آپ کے گھر والوں کا فیصلہ ہے اور آپ مجبور ہو چکے ہیں، مگر معراج... اپنے اندر ہمت پیدا کیجیے۔ اپنے فیصلوں کی بندوق دوسروں کے کندھے پر رکھ کر چلانے کے بجائے اپنے ہاتھوں میں اٹھانا سیکھیے اور سنیے! میں بھی آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی یہ میرا فیصلہ ہے۔ میرے گھر والوں کا نہیں۔ جس گھر اور گھر والوں کی بربادی کی داستانیں، میرے قدم رکھنے سے پہلے مجھ سے منسوب کر دی جائیں۔ ایسے گھر میں، میں قدم نہ ہی رکھوں تو بہتر ہے۔ اس لیے پلیز کل کے انتظار میں میرے گھر والوں کو لمحہ لمحہ موت دینے کے بجائے آپ ایک بار مار دیجیے اور مجھ سے اپنی جان چھڑا لیجیے۔" اس کی بات ختم ہوئی چند لمحے دوسری طرف

خاموشی رہی۔

"میں تم سے الگ نہیں ہونا چاہتا عفت..." معراج کی آواز میں عجیب دم توڑتی بے بسی سی تھی۔

"لیکن آپ مجبور ہیں... یہی نا..." عفت کو لگتا تھا یا تو آج وہ ختم ہو جائے گی یا یہ الفاظ... بے رحم... بے مروت...

"عفت میں... میں تمہیں..." اس نے چٹانوں کی سی سختی سے اس کی بات سنی۔ پھر فون بند کر کے سیدھی اپنے باپ کے کمرے کی طرف بڑھی۔ تائی اماں اور تایا ابو گہری نیند سو رہے تھے البتہ اس نیند کے پرسکون ہونے کے بارے میں وثوق سے کہا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے دھیرے سے دروازہ بھیڑا اور سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آئی۔ سامنے ہی وہ دونوں رضوانہ سے دھیمی آواز میں کوئی بات کر رہے تھے اسے اوپر آتے دیکھ کر تینوں ہی متوجہ ہوئے۔ وہ بے حد خاموشی اور سنجیدگی سے نزدیک آکر کھڑی ہوئی۔ انس، سوہا اور رضوانہ نے اپنے اپنے دل میں اس کی تسلی کے لیے الفاظ ترتیب دیے، لیکن اسی وقت عفت کے لب کھلے اور زندگی کی ہر ترتیب الٹ گئی۔

"معراج کا فون آیا تھا۔ انہوں نے مجھے طلاق دے دی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"کیا..." اس کی آواز کسی چیخ سے مشابہہ تھی۔ کپڑے پریس کرتی مزنہ نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا۔ پھر تیزی سے ڈبڈباتی اس کی آنکھوں کو۔

"یا اللہ خیر..." کام ادھورا چھوڑ کر وہ تیزی سے اس کی طرف آئیں۔ جو فون بند کر کے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے سمجھ میں نہ آتا ہو کہ اب کرے تو کیا کرے۔

"کیا ہوا ماہا!" انہوں نے وقتی ہمدردی جیسے کسی عارضی جذبے سے مغلوب ہو کر اس کا کندھا تھاما۔ ماہا نے اسی طرح خالی، لیکن آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ پھر ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"پانی لے کر آؤ۔" قریب کھڑی ملازمہ کو انہوں نے جلدی سے منظر سے ہٹایا۔ جب تک ملازمہ پانی لائی ماہا نہ صرف خود کو سنبھال چکی تھی بلکہ مزنہ کو عفت کی طلاق کی خبر بھی سنا چکی تھی۔

"یہ تو بہت برا ہوا بے چاری لڑکی کے ساتھ۔ وہ بھی عین شادی والے دن..." ان کے انداز میں کوئی بناوٹ نہیں تھی۔ ماہا نے پانی کا گلاس لے کر لبوں سے لگا لیا۔ مزنہ چونک کر اس سے بولیں۔

"تمہیں وہاں جانا چاہیے۔ پتا نہیں کیسے حالات ہیں۔ تمہاری اپنی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سوہا اکیلی پڑ گئی ہوگی۔" ماہا خود کو سنبھال کر اب سمجھ داری سے سر ہلا رہی تھی۔ مزنہ کے کہنے پر خود کو ہر طرح کی صورت حال ہینڈل کرنے کے لیے تیار کرتی ہوئی اٹھی اور کمرے میں آکر حسیب کو ساری بات سنائی۔

"آپ پلیز۔ ولید سے کہیں مجھے وہاں لے چلیے..." حسیب کے چہرے پر چھائی فکر مندی، ماہا کے لیے بڑی ڈھارس تھی۔ اسے قوی امید تھی کہ خوشی کے موقع کو یوں غم میں بدلتا دیکھ کر وہ اپنی بے تکی راگنی نہیں الاپے گا۔ لیکن...

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ تم وہاں جا کر کرو گی کیا... جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔" اس کا انداز ایکا ایکی اتنا بدل گیا اس قدر لاپروا اور بے نیاز کہ ماہا کو لگا اس کے سامنے کوئی نیم پاگل شخص بیٹھا ہے جیسے کسی حادثے کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی غم، خوشی، حیرت، تعجب کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔

بالکل ایسا ہی اس وقت تایا ابا کے سامنے بیٹھی عفت کو لگا۔ جن کے بوڑھے چہرے پر آنسو بنا کسی رکاوٹ کے

یوں بہہ رہے تھے۔۔۔ کہ ان کو بالکل اپنا ہوش نہیں تھا۔ سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھا انس مستقل ان کا ہاتھ سہلا رہا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلیوں میں ان کا کمزور ہاتھ دبایا ہوا تھا۔ وہ بار بار تھوک نگلنے کی کوشش کرتے اور لفظ محض چند غوں غاں سے زیادہ سفر نہیں کرپاتے۔ عفت کو ان کی حالت سے بے اختیار بہت خوف آیا۔

"ابا۔۔۔ ابا۔۔۔ میں بہت خوش ہوں۔۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ابا۔۔۔ میری بات کا یقین کریں۔" کسی اندرونی جذبے سے خوف کھا کر اب کی بار وہ بولی تو اس کی آواز معمول سے قدرے بلند تھی۔ سپاٹ اور انجانی سی۔

"میں نہ بھی کہتی تب بھی وہ لوگ اب نہیں ماننے والے تھے۔ انہوں نے یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ میری امی اور بہن کل سامان واپس کرنے آئیں گی۔ میں نے خود انہیں انکار کیا۔ ہم۔۔۔ ہم کوئی سامان کے بھوکے تھوڑی نہ تھے۔ انسان کو عزت اور خوشی چاہیے ہوتی ہے اور وہ لوگ یہ دونوں ہی چیزیں دینے کو تیار نہیں تھے۔" اس کا لہجہ شدید بے بسی سے بھر گیا۔ انسان کی زندگی کا ہر ہر فیصلہ کتنے لوگوں' رشتوں اور ان کے جذبات سے جڑا ہوتا ہے۔ آج اندازہ ہو رہا تھا۔

وہ ان کو دکھ سے بچانے کی خاطر خود کو مطمئن اور خوش دکھانے کی خاطر جس طرح کی باتیں کررہی تھی جھکی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولتا انس اپنا دل چھلنی ہوتا محسوس کررہا تھا اور یہ بھی کہ وہ کتنی مضبوط تھی۔ دوسرے کمرے میں چپکے چپکے نیر بہاتی تائی اماں کے پاس سوہا اور رضوانہ بیٹھی کم و بیش اسی طرح کی باتیں کررہی تھیں۔

"مجھے خود بتایا ہے عفت بیٹی نے۔۔۔۔ ماں بہنوں کی باتوں میں آکر ہر بات کا ذمہ دار عفت کو ٹھہرا دیا تھا۔"

"کیا فائدہ تھا ایسے لوگوں میں جانے کا تائی اماں۔۔۔۔ سمجھیں اللہ نے بڑے وقت پر بچالیا۔ کیا پتا کل کو کیا کہہ دیتا کہ کوئی ایک دو دن کی بات تھوڑی تھی۔ کب تک یوں الٹے سیدھے الزام اپنے سر لے کر جیتی عفت۔۔۔ وہ لوگ تو اسے زندہ لاش بنا کر رکھ دیتے۔۔۔ بس خدا کا شکر ادا کریں جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔" سوہا نے بے حد محبت سے ان کا چہرہ صاف کیا۔

"پر میری بیٹی پر تو داغ لگ گیا نا! لوگ کیا کہیں گے۔ اور آج ابھی۔۔۔ مغرب تک سب آنا شروع ہوجائیں گے۔ یہ سب سامان۔۔۔ اتنا کچھ۔۔۔ کیسے۔۔۔" ذہنی بے ربطگی کی وجہ سے وہ کھل کر اپنی بات بھی نہیں کہہ پارہی تھیں۔

"جب اللہ نے داغ لگانے والا دیا ہے نا۔ تو اسے مٹانے والا بھی وہی دے گا۔ ان شاء اللہ۔" اس کے لہجے میں اتنا یقین اور اطمینان تھا کہ وہ اور رضوانہ دونوں ہی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"اور یہ کوئی اتنی انوکھی بات نہیں۔ لڑکیوں کے رشتے' منگنیاں' نکاح ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہر بات میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔ شکر ادا کریں کہ ابھی صرف نکاح ہی ہوا تھا۔" رضوانہ نے انہیں خود سے لگا رکھا تھا۔

"اور آپ ہمارا اعتبار کریں۔ یہ معاملہ بگڑا ہے نا! اس صورت حال کو ہم لوگ سنبھال لیں گے۔ سب کچھ سنبھال لیں گے۔ آپ صرف تایا ابا کو دیکھ لیں جاکر۔۔۔ عفت کو دیکھیں کتنی سمجھ داری سے ان کو حوصلہ دے رہی ہے۔ عفت کے بعد صرف آپ ہی صحیح معنوں میں تایا ابا کی دل جوئی کرسکتی ہیں۔۔۔ اٹھیں اور جاکر انہیں احساس دلائیں کہ جو ہوگیا شاید اسی میں سب کی بہتری تھی۔۔۔ آئیں چلیں۔۔۔"

عین بارات والے دن طلاق کا مژدہ مل جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی' لیکن عفت نے بہت جلدی اس حقیقت کو قبول کیا تھا کہ اب اگر اس ساری صورت حال کو کوئی مزید بگاڑ یا سنوار سکتا ہے' تو وہ ہے اس کا اپنا رد عمل اگر وہ خود ہی جاہل عورتوں کی طرح اپنے اجڑنے کا بین ڈال دیتی تو منظر یقیناً" مختلف ہوتا۔ اب جو منظر تھا یہ بھی مختلف ہی تھا' مگر اس کی آنکھوں کو اتنا ناگوار نہیں لگ رہا تھا۔ جتنا معراج اور اس کے گھر والوں کو منت سماجت کرتے اپنے ماں باپ کو دیکھ کر لگتا۔ اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور کٹھن فیصلہ اس نے نہ صرف چند لمحوں میں کیا

تھا بلکہ اب اس فیصلے کو بڑی ہمت سے نبھا بھی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اماں اور ابا کے علاوہ باقی سب اس کا سنجیدہ چہرہ اور سمٹا ہوا انداز دیکھ کر خود بخود یہ طے کر چکے تھے کہ جو ہو چکا ہے اس پر رو پیٹ کے شور مچانے کے بجائے انہیں آنے والے وقت سے نمٹنے کی تیاری کرنی ہے۔

"مجھے پتا ہے ابا۔ میرے لیے بہت مشکل وقت ہے۔ آپ کے لیے بلکہ سب کے لیے، لیکن اللہ نے یہ مشکل وقت ہم پر ڈالا ہی اس لیے ہے کہ ہمیں آنے والے مزید مشکل وقت سے بچا سکے....." اماں کو آج دیکھ کر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ان کی آنکھیں نم، چہرہ سوجن کا شکار، لیکن انداز کسی قدر ٹھہرا ہوا تھا۔

"چھوڑیں جی۔ ناقدروں کی خاطر اپنی طبیعت خراب نہ کریں۔ اللہ کا شکر ہماری بیٹی میں کیا کمی ہے۔ اللہ خود ہی کوئی بہتر راہ نکالے گا۔" عفت اماں کو جگہ دینے کے لیے کھڑی ہوئی تو سوہا سے پانی پینے کا کہہ کر کمرے سے نکلی اور دوسرے کمرے میں آکر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"ہماری بیٹی میں کیا کمی ہے۔" الفاظ کی بازگشت اس کے اطراف چکرا کر اسے توڑنے لگی تھی۔ اس کے اندر جمع ہوتے غبار نے سانس کی آمد و رفت مشکل بنا رکھی تھی۔ اب ضروری تھا کہ اس غبار کو نکلنے کے لیے کوئی روزن دے دیا جاتا۔ ورنہ.....

☆ ☆ ☆

ولید اس بار اس کے ساتھ گھر کے اندر تک نہیں آیا تھا بلکہ ماہا کے کہے بغیر ہی دروازے سے پلٹ گیا تھا۔ آج بھی اس نے خود ہی ماہا کو گھر لے جانے کی بات حسیب کے سامنے چھیڑ دی تھی اور اب کی بار ماہا نے گاڑی سے اترتے ہوئے پہلی بار ولید سے نرمی سے بات کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ وہ واقعی دل سے اس کی مشکور تھی کہ اس نے حسیب سے خود ہی ماہا کو گھر لے جانے کی بات کر لی۔ ورنہ حسیب جس موڈ میں تھا اور جس قطعیت سے انکار کرنے چلا تھا اس کے بعد ماہا کبھی اپنی انا کو جھکا کر ولید سے درخواست نہ کرتی۔

ولید نے اس کے شکریے کا جواب فقط ایک سچی اور سادہ مسکراہٹ سے دیا تھا۔ گھر کا ماحول اس کی توقع کے بالکل خلاف بے حد نارمل تھا۔ وہ جو دل ہی دل میں روتے دھوتے گھر والوں اور نالہ پیٹوں جیسی مکالموں کو سننے کی تیاری کر کے آئی تھی راستے بھر بھرے بھرے دل کو تسلیاں کراتی آئی تھی۔ اس وقت حیرت زدہ رہ گئی جب عفت نے ہی سب سے پہلے اسے دیکھا اور پھر بے حد معمول کے سے انداز میں اطلاع دی۔

"ماہا آگئی ہے۔" گو کہ اس کا انداز قدرے بجھا ہوا اور بے حد سنجیدہ تھا، لیکن اس کے چہرے پر سوگ کی وہ کیفیت رقم نہیں تھی جس کا سوچ سوچ کر ماہا کا دل گھٹنوں سے بیٹھا جا رہا تھا۔

"بس یوں سمجھ لو..... حادثات کا بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور وہ جس قدر وقت پر وقوع پذیر ہوں۔ اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔" چائے کے مگ سے گھونٹ گھونٹ چائے پیتی یہ عفت وہ نہیں تھی۔ جسے وہ سالوں سے جانتی تھی۔ رحم دل، بامروت، نرم رو..... یہ کوئی اور ہی عفت تھی سخت دل، اذیت پسند، حقیقت و آگہی پرست..... ماہا اس کے سامنے ضبط کرتے کرتے بھی جانے کیا سوچ کر سسک پڑی۔

"کیوں رو رہی ہو پاگل۔ مجھے دیکھو میں کتنی مطمئن ہوں۔ ان کے انداز بہت دن پہلے ہی بدل گئے تھے۔ ماہا....."

ماہا نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر حیرت سے پوچھا۔

"بہت دن پہلے....."

"ہاں..... میری فون پر بات ہوئی تھی نا! وہ اپنی امی اور بہن کی کسی بات کو غلط نہیں کہتے تھے اور اگر میں غلط کہتی تھی تو مجھ سے الجھ جاتے تھے۔ ابھی تو میری رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی اور انہیں مجھ سے اختلافات ہو گئے تھے۔"

"اور وہ جو انہوں نے نائلہ کی ڈیتھ کے بعد اسٹینڈ لیا تھا۔ اپنی اماں اور بہنوں کے خلاف جاکر۔ آئے تو تھے یہاں شادی کی ڈیٹ فکس کروانے کے لیے۔" اس نے سوں سوں کرتے ناک اور چہرہ صاف کیا۔

"وہ غلبہ تھا کسی وقتی جذبے کا.... کیوں کہ ان کے نزدیک ان کی زندگی میں پہلے سے موجود رشتوں کی اہمیت مجھ سے کہیں زیادہ تھی۔ میری نحوست کے سائے کی وجہ سے ان کے دل میں ان رشتوں کو کھودینے کا ڈر تھا۔ ان کے خیال میں ان کے خاندان پر اور ہمارے یہاں آنے والا سارا برا وقت میری وجہ سے تھا۔ اس لیے جب انہیں مجھ میں اور اپنے خون کے رشتوں میں سے کسی ایک کو چننا پڑا تو انہوں نے حقیقی رشتوں کو چن لیا۔" ماہا اس کی بات کے جواب میں کتنی ہی دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی سطح اب تک نم تھی۔ وہ یقیناً" روئی ہوگی لیکن اب نہیں رونا چاہتی تھی۔

"اور.... اور آج رات کا فنکشن، مہمان، کھانا اور...." اس کے لبوں سے اٹک اٹک کر بات نکل رہی تھی۔

"سب کینسل کروا دیا ہے۔ انس نے۔ فی الحال اصل بات کسی کو نہیں بتائی، لیکن شادی ملتوی ہونے کی خبر سب کو پہنچا دی ہے۔" سوہا اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ اس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔

"لیکن لوگ اتنی آسانی سے کہاں مانتے ہیں۔ دیکھنا رات میں سب ہی آئیں گے شادی ملتوی ہونے کا افسوس لے کر نہیں بلکہ ٹوہ لینے کے لیے...." ماہا کے دل کسی طور قرار نہیں پا رہا تھا۔

"آنے دو۔ جب آئیں گے ہم دیکھ لیں گے۔ لو تم ناشتا کرو۔ اور یہ بتاؤ۔ حسیب بھائی کچھ کہہ تو نہیں رہے تھے۔" سوہا کا انداز بے حد سرسری تھا، لیکن ماہا کی تو کسی نے دم پر پیر رکھ دیا۔

"اونہہ.... ان کی کیا بات کروں۔ بالکل ہی الٹا دماغ چل رہا ہے آج کل۔" گھر کے ماحول سے اس ناخوش گوار واقعے کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ خود ہی جوش و خروش سے حسیب کے عجیب و غریب رویے کی طرف مڑ گئی۔

✲ ✲ ✲

رات کے گہرے پڑتے سایوں میں وہ بے یقینی سے انس کے الفاظ دل ہی دل میں دہرا رہا تھا۔ جو اس نے صبح ہی صبح کال کرکے اس سے کہے تھے۔

"عفت کی رخصتی نہیں ہو رہی۔ رات کو کسی وقت معراج نے فون پر اسے ڈائیورس دے دی۔" اس کا لب و لہجہ بے حد افسردہ تھا۔ حدید کو کتنی ہی دیر اس وقت بھی یقین نہیں آیا۔ وہ بولا تو اتنی دیر ہو چکی تھی کہ دوسری طرف موجود انس لائن کاٹنے ہی والا تھا۔

"اچھا نہیں ہوا...." اس کی آواز بے حد دھیمی اور الفاظ سرسراتے ہوئے تھے۔ انس گہری سانس بھر کے رہ گیا۔ یہ تک نہیں کہہ سکا کہ "یہ تو وقت بتائے گا کہ کس کے لیے اچھا ہوا اور کس کے لیے نہیں۔"

"خالہ اور خالو جان کی طبیعت ٹھیک ہے۔" پوچھنا تو وہ کچھ اور چاہتا تھا، مگر یہ مصلحتیں....

"ٹھیک ہیں سب.... اور عفت بھی...." حدید کو جواب مل گیا اور بات ختم ہو گئی۔ اب آگے کیا پوچھے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"تمہیں کوئی بات کرنی تھی مجھ سے۔ سوہا نے بتایا تھا۔"

"ہاں وہ...." اس کے اعصاب بوجھل سے ہو گئے۔

"کرنی تو ہے۔ تمہیں فرصت ملے تو...."

"ٹھیک میں کل آؤں گا.... پھر اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے.... ایک ضروری بات مجھے بھی کرنی ہے تم سے...."

"مجھ سے... کس بارے میں....."
"تمہاری آگے کی زندگی کے بارے میں.... تمہارے اور عفت کے بارے میں۔" حدید خاموش رہ گیا۔ اس نے تو عرصہ ہوا کوس گنتے چھوڑ دیے تھے۔ تو کیا.... تقدیر اسے دوبارہ ان ہی راستوں پر لے جانا چاہتی تھی۔ جبکہ دوسری طرف کمرے میں داخل ہوتی سوہا نے اس کی آخری الفاظ سن لیے تھے۔ جب ہی گرم گرم چائے کا مگ لے کر اس کے سامنے آئی تو خوشبودار بھاپ کے عقب میں اس کے چہرے پر خوش گواریت پھیل چکی تھی اور لب کسی اشارے کو بھانپ کر مسکرا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

سب کی باتیں سن کر، عفت کو مطمئن اور تایا ابا اور تائی اماں کو سنبھلا ہوا دیکھنے کے بعد بھی اس کے دل میں گڑی ایک پھانس مسلسل چبھن پیدا کرتی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ رات جب وہ حسیب کی بانہوں کے حصار میں آئی تو جانے کیوں اشکوں کے چند شفاف موتی پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے گریبان میں جذب ہو گئے۔
"عفت کے ساتھ اچھا نہیں ہوا حسیب.... قدرت کیوں یہ ناانصافی کرتی ہے لوگوں کے ساتھ۔ جو سب کے ساتھ اچھے ہوتے ہیں۔ ان ہی کے ساتھ برا کیوں ہو جاتا ہے۔"
"یہ ناانصافی قدرت نہیں۔ انسان ہی کرتے ہیں۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ۔" اس نے دلگرفتی سے سر ہلایا۔
"اچھا ادھر دیکھو میری آنکھوں میں...." اس نے محبت سے ماہا کا چہرہ اوپر اٹھایا۔
"تم نے اس سارے واقعے سے، ان ساری باتوں سے کوئی سبق بھی سیکھا یا صرف آنسو بہا کر گھر چلی آئیں۔"
"کیا مطلب...." وہ بے وقوفوں کی طرح پوچھنے لگی۔ حسیب نے ماتھے پر ہاتھ مارا پھر اسے اپنے برابر میں بٹھا لیا۔
"گھر والے مشکل میں تھے۔ تم ان سے ملیں۔ انہیں تسلی دی۔ انہیں یقیناً" اچھا لگا ہو گا۔ سب گھر والے مشکل میں ایک ساتھ ایک جگہ، ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لیے موجود تھے نا۔" ماہا نے سر ہلایا۔
"اور اگر فرض کرو۔ تمہاری امی یا تائی اماں اس بات کو سہار نہیں پاتیں۔ ان کی طبیعت خراب ہو جاتی اور میں تمہیں گھر جانے نہیں دیتا۔ تو تم پر کیا گزرتی...." ماہا کا دل سہم کر رہ گیا۔
"اللہ نہ کرے.... میں تو مر ہی جاتی۔" وہ ایک بار پھر رونے کو تیار تھی۔
"تو جب تم.... اپنے اور اپنے گھر والوں کے بارے میں اس قدر حساس ہو۔ اتنا محسوس کر سکتی ہو۔ تو ولید کے بارے میں کیوں نہیں...." ماہا ساکت رہ گئی۔ اس کے آنسو، وجود اور سانس سب رک سا گیا۔
"تمہارے پاس بہت سے رشتے ہیں۔ اللہ کا شکر.... اس کے پاس صرف ایک تھا.... میں، اس کا باپ.... اور تم چاہتی تھیں کہ وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں پھنسے ہوئے اس ایک رشتے کو بھی چھوڑ دے۔" حسیب کی آواز سرگوشی سے ذرا ہی بلند تھی۔ پھر بھی ماہا کو نقارے سے کم نہیں لگی۔
"تم چاہتی تھیں کہ میری حالت سے بے نیاز جہاں جیسی کنڈیشن میں بھی ہے۔ جتنا بھی پریشان ہے وہیں رہے بس، یہاں نہ آئے۔ دل پہ ہاتھ رکھ کر کہو۔ کیا یہ بالکل وہی حرکت نہیں تھی۔ جو پچھلے چند دن میں تمہارے ساتھ کرتا رہا۔ کتنی تکلیف محسوس کی تم نے.... کتنا دکھ پہنچا تمہیں میرے رویے سے پہنچایا نہیں۔" ماہا نے بجھے دل سے سر ہلایا۔

"تو پھر۔ جب تم اپنے دل میں اپنے گھر والوں کے لیے درد محسوس کر سکتی ہو تو کسی اور کے دل میں اس کے گھر والوں کا درد محسوس کیوں نہیں کر سکتیں اور اگر واقعی نہیں کر سکتیں تو اس کا مطلب کہ تم نہ صرف خود غرض بلکہ بے حس بھی ہو۔" ماہا نے یک دم خفگی سے اسے دیکھا۔

"میں نہ خود غرض ہوں اور نہ بے حس۔" حسیب نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔ ماہا نے سر جھکا لیا۔

"لیکن میں جانتا ہوں۔ میری پیاری بیوی نہ صرف بہت حساس ہے بلکہ ایک بہت خوب صورت محبت بھرا دل رکھنے والی بھی ہے۔ ہے نا!" حسیب نے اس کا جھکا ہوا سر دیکھ کر اسے بازو کے گھیرے میں سمیٹ لیا۔ ماہا نے اس کے کندھے سے سر ٹکا لیا۔ اور چند لمحوں بعد دھیرے سے بولی۔

"میں جانتی ہوں آپ نے یہ بات کیوں کی۔ شکریہ!"

"شکریہ۔ کس بات کے لیے۔" حسیب نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ایک مردہ احساس کو 'بے حد خوب صورت انداز میں میرے اندر جگانے کے لیے۔"

"ہم۔۔۔ م۔۔۔" حسیب نے دھیرے سے اسے سمیٹ لیا۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں اسے روک لوں گی۔" نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے اس کے آخری الفاظ خود اسی کو شانت کر گئے۔ حسیب مسکرا رہا تھا۔ ابھی اسے یہ بھی بتانا تھا کہ اس کی پلاننگ میں انس اور سوہا بھی شامل تھے۔ جو فون کر کے اسے گھر آنے کے لیے اکسا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا بات کر رہے ہو تم۔" انس کے گمان میں کوسوں دور تک یہ بات نہیں تھی نہ ہو سکتی تھی جو حدید کہہ رہا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اسے کتنے وقت تک تو حدید کا چہرہ دیکھ کر خود کو یقین دلانا پڑا کہ حدید جو بھی بات کر رہا ہے پورے ہوش و حواس میں کر رہا ہے۔

"میں بالکل ٹھیک سو فیصد سچ بات کر رہا ہوں۔ انس۔۔۔! اور میں خود کس طرح تم سے یہ بات کرنے کے لیے خود کو تیار کر پایا ہوں۔ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" انس نے بے اختیار اس کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ حدید نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ انس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی بات کا کیا جواب دے۔ تسلی دے تو کن الفاظ میں۔ تائید کرے تو کس بنیاد پر۔ اور تردید کرے تو کس طرح۔۔۔

"وہ نائلہ کو ایسے گالیاں دے رہا تھا جیسے پتا نہیں کب سے دیتا رہا ہو۔ اور پھر اس نے نائلہ کو دھمکی دی کہ تیری یادداشت واپس لاؤں۔۔۔" سختی سے میچی ہوئی آنکھوں پر ہاتھ رکھے کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے وہ بے حد دھیمے انداز میں دبے ہوئے لبوں سے بات کر رہا تھا۔ انس کا ساکت وجود کوئی حرکت کرنے سے لاچار ہو گیا۔ حدید کے لیے بھی مزید بولنا شاید ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ یونہی اپنا چہرہ چھپائے خود پر ضبط کرتا رہا۔ پھر دونوں کے درمیان گہری ہوتی خاموشی کو محسوس کر کے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں بے انتہا سرخ اور نم تھیں۔

"کیا کہوں میں۔۔۔ بولو۔۔۔ کیا سمجھوں میں۔۔۔ اس بات سے۔ میں نے اس کا فون بھی دیکھ لیا ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ نہ کوئی کال ہے نہ کوئی میسج ہے۔ نہ وہ کہیں جاتی تھی نہ کسی سے ملتی تھی پھر۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ شخص کیوں۔۔۔" اس کی بات ادھوری ہی تھی کہ انس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس حدید بس۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمہاری بات سو فیصد سچ ہے، مگر میں اس کو بالکل جھوٹ بھی نہیں کہہ رہا۔ تم ایک سمجھ دار مرد ہو اور مجھے تم پر بھروسا ہے، لیکن یہ سوچو کہ جس کے بارے میں کہہ رہے ہو وہ اب اس دنیا میں

نہیں ہے، مگر جب وہ اس دنیا میں تھی۔ تب بھی تمہاری عزت تھی جو ہو گیا اسے بھولنے کی کوشش کرو اور ان سوالوں میں خود کو مت الجھاؤ، جن کے جواب تمہاری الجھنوں کو اور بڑھا دیں اور تمہیں کسی قسم کی شرمندگی سے دوچار کر دیں۔"

"لیکن۔۔۔۔ انس یار۔۔۔۔ کسی کی جان چلی گئی۔"

"جان چلی گئی جواب واپس نہیں آسکتی تو پھر فائدہ۔۔۔ اس لیے جس چیز پر اللہ نے پردہ ڈال دیا اسے بے پردہ مت کرو۔" اس نے بات مکمل کر کے حدید کا چہرہ دیکھا اس کی سرخ آنکھوں میں نمی کی تہ بڑھ رہی تھی اور چہرے پر بے تحاشا کرب انگیز کیفیت۔۔۔۔ انس نے اپنے دونوں ہاتھ حدید کے شانوں پر جما دیے۔

"ان دروازوں کا بند رہنا ہی بہتر ہوتا ہے میرے بھائی۔ جن کے کھلنے پر ہمیں اندھیروں کے سوا اور کچھ نہ ملے اور ہم اس اندھیرے میں راستہ ڈھونڈنے کے چکر میں خود کو کسی گڑھے میں گرا بیٹھیں۔" حدید نے جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔

"چھوڑ دو اللہ پر۔ ہر معاملہ اور نکال لو خود کو اس فیز سے۔ وہ جب تک تمہاری تھی۔ تمہاری وفادار رہی بس یہ یاد رکھو اور زندگی کے سفر میں آگے کی جانب دیکھو۔ ابھی بہت زندگی باقی ہے اور زندگی ایک نعمت ہے۔ کوئی بے کار شے نہیں۔ جسے یوں خود کو بے کار کے واہموں میں الجھا کر ضائع کیا جائے۔"

گو کہ حدید کی اس بات نے اس کا اپنا دل بھی کافی بجھا دیا تھا، مگر اس وقت وہ وہاں اپنے بھائی کا حوصلہ بڑھانے اسے زندگی کی طرف واپس موڑنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اسے خود کو بشاش دکھانا ہی تھا اس لیے زبردستی مسکرا کر اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔

"چلو باہر آؤ۔ سوہا چائے بنا رہی ہے۔ مل کر پیتے ہیں اور بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔" حدید اپنی کیفیت سے نکلا یا نہیں، لیکن انس کی بات سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔

✵ ✵ ✵

چند گھنٹوں کے بعد اس کی فلائٹ تھی۔ بیرونی ملک روانگی کے لیے اور وہ اکیلا ہی کب سے کمرے میں گھسا، پیکنگ میں مصروف تھا۔ سکڑے ہوئے ہونٹ، سلوٹ زدہ پیشانی اور مایوس آنکھوں کے ساتھ وہ چپ چاپ اپنے کام میں مصروف تھا۔ گزرے ہوئے دن کسی فلم کی مانند اس کے ذہن میں ایک کے بعد ایک جگہ لیتے جا رہے تھے۔ بار بار اس کا دھیان بھٹک جاتا۔ کام رک جاتا اور وہ کسی ایک زاویے پر جہاں کی تہاں رک کر سوچ میں گم ہو جاتا۔ یونہی کھڑے یا بیٹھے بیٹھے کوئی دھیان گھومتا پھرتا۔ اسے حال میں واپس لاتا تو اٹھ کر پھر سے سامان سمیٹنے لگتا۔ ایسے میں دروازے پر ابھرنے والی آواز پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹا تھا۔

"ولید۔۔۔۔" وہ دہلیز پر کھڑی تھی اور شاید پہلی بار اس کا نام لے کر اتنی نرمی سے اسے پکارا تھا۔ وہ پلٹا ضرور، لیکن بے حد ساکت و جامد تاثرات کے ساتھ۔

"تم جا رہے ہو۔" وہ یونہی بولتے ہوئے اندر آئی۔ ولید کے ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے دھیرے سے ہنس کر رخ موڑ لیا۔

"جی۔۔۔۔ واپس تو جانا ہی تھا۔" ماہا اسے بغور دیکھتی نزدیک آکر کھڑی ہو گئی۔ اسے اپنی بات کرنے میں بے حد مشکل پیش آ رہی تھی۔ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اسے اپنے سے فقط چند سال چھوٹے اور ایک سمجھ دار لڑکے کے سامنے نہ صرف گزشتہ رویے کی معافی مانگنی تھی بلکہ اپنی شرمندگی کا اظہار بھی کرنا تھا اور پھر اسے روکنا بھی تھا۔ وہ ذرا سا کھنکاری پھر بات شروع کی۔

"حسیب چاہتے تھے کہ تم نہ جاؤ۔"
"ہاں میں جانتا ہوں۔ میں خود بھی نہیں جانا چاہتا تھا لیکن.... کبھی کبھی ہمارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا...." وہ رخ موڑے بیگ میں جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ پھر پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک امپورٹڈ چاکلیٹ تھی۔
"یہ لیں۔ میری فیورٹ چاکلیٹ...." اس نے ریپر کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔
"یہ کس خوشی میں...." وہ اس کے دوستانہ انداز سے ذرا ریلیکس ہو کر اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی اور چاکلیٹ کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا۔
"آپ نے پہلی بار میرا نام پکارا اور وہ بھی اس قدر نرمی سے.... اسی خوشی میں سمجھ لیں۔" ماہا ایک دم ہی ہنس دی' لیکن وہ ذرا سا مسکرا دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی ولید اب اپنے بیگ کی زپ بند کر رہا تھا۔
"اور اگر میں کہوں کہ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم نہ جاؤ...." ماہا نے اسے بالکل اچانک رکتے اور حیرت سے خود کو دیکھتے ہوئے پایا۔ تو دھیرے سے بات مکمل کی۔
"تو پھر... کیا کہو گے تم...." وہ چند لمحے یونہی اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"تو میں کہوں گا کہ میں نے آپ کو چاکلیٹ کھلانے میں دیر کر دی۔"

☼ ☼ ☼

زندگی کے سینے پر پت جھڑ نے جتنے بھی زخم لگائے تھے۔ گزرتے وقت کی بہار نے اس پر اپنا مرہم رکھ کر مندمل کر دیے تھے۔ اب ہر سو سکون تھا۔ خوشیوں کی فراوانی تھی۔ ایسی ہی موسم بہار کی ایک چمکیلی روشن صبح' جب تازہ اور گرم الائچی ملی دودھ پتی کی خوشبو' ناشتے کی اشتہا کو اور بڑھا رہی تھی۔
ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھتی وہ' چونک گئی۔ اس کا ہاتھ اپنے نم آلود بالوں پر تھا۔ کلائیوں تک بھری دہکتی ہوئی مہندی اور جسم و جاں سے پھوٹتی ایک معطر سی خوشبو کی ان کہی داستانیں خود میں سمیٹے ہوئے تھی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی' ساتھ ہی سوہا کی آواز سنائی دی۔
"عفت.... سب لوگ پہنچنے والے ہیں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر کھڑی سوہا کو اندر سے گلابوں کی مہک کی لپٹ سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔
"ماشاء اللہ! اس وقت تو کل سے زیادہ مہکی مہکی لگ رہی ہیں محترمہ...." وہ بری طرح جھینپ گئی۔
"اچھا سنو! جلدی سے حدید بھائی کو بھی جگا دو گیارہ بجنے والے ہیں۔ پھر امی لوگ آجائیں گے تو اچھا نہیں لگے گا نا۔" وہ سر ہلاتی ہوئی دروازہ بند کر کے پلٹی اور بستر پر محو خواب وجود کے نزدیک آئی۔ دھیرے سے شانہ ہلاتے ہوئے پکاری۔
"حدید... حدید... اٹھ جائیں.... پلیز بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس کا انداز بے حد نرم اور دھیما سا تھا۔ سوئے ہوئے وجود میں کوئی حرکت نہ پا کر وہ جھکی اور دھیرے سے دوبارہ اس کا شانہ ہلانے کی خاطر ہاتھ بڑھایا۔ حدید نے ایک دم اٹھ کر اس کی کلائی پکڑنی چاہی' مگر وہ ہوشیار تھی۔ ایک دم پیچھے ہٹی اور ہنس کر بولی۔
"مجھے پتا تھا۔ آپ جاگ رہے ہیں۔ بنے پڑے ہیں۔" حدید نے اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی اور نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"بیوی کو اتنا بھی نبض شناس نہیں ہونا چاہیے۔" عفت کی کھلکھلاتی ہنسی کے پھول' لمحہ بھر میں اس کا وجود' سماعتیں اور دل سب معطر کر گئے۔

☼ ☼